سوال

(39) تہجد اور سحری کی اذان

جواب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

فجر سے پہلے اذان درست ہے یا نہیں ۔ وہ اذان سحری کی یا تہجد کی کہلا سکتی ہے یا نہیں ۔ کیا کوئی شخص غیر رمضان میں سحری کی اذان دے سکتا ہے ۔ ؟

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

«عن ابن عمر وعائشۃ رضی اللہ عنہا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بلالا یوذن بلیل فکلوا واشربوا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حتی ینادی ابن ام مکتوم وکان رجلا اعمی لاینادی حتی یقال لہ اصبحت اصبحت متفق علیہ وفی اخرہ ادراج ۔»

یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ بلال رات کو اذان دیتا ہے پس سحری کھاؤ پیو ۔ یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دے اور ابن ام مکتوم نابینا آدمی تھا ۔ یہاں تک کہ کہا جاتا صبح ہوگئی ۔ صبح ہوگئی اور اخیر کلام (وکان رجلا اعمی) اخیر تک راوی کا قول ہے ۔

اس حدیث پر سبل السلام میں لکھا ہے ۔

«وفیہ شرعیۃ الاذان قبل الفجر لالما شرع الاذان فان الاذان کما سلف للاعلام بدخول الوقت ولدعاء السامعین لحضور الصلوۃ وہذا الاذان الذی قبل الفجر قد اخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ شرعیۃ بقولہ لیوقظ نائمکم یرجع قائمکم رواہ الجماعۃ الا الترمذی والقائم ہو الذی یصلی صلوۃ اللیل ورجوعہ عودہ الی نومہ اوقعودہ عن صلوتہ اذا سمع الاذان فلیس للاعلام بدخول ولا لحضور الصلوۃ فذکر الاختلاف فی المسئلۃ والاستدلال للمانع وللمجیز لایلتفت الیہ من ہمہ العمل بما ثبت» (سبل السلام جلد اول صفحہ نمبر 77)

اس میں فجر سے پہلے اذان دینے کا ثبوت ہے مگر یہ اذان اس خاطر نہیں جو اذان کی اصل غرض ہے کیونکہ اصل غرض اذان کے وقت نماز کا اعلان اور سامعین کو حضورِ نماز کی دعوت ہے اور اس اذان کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ سوئے ہوئے کو جگانے کی خاطر اور قائم کو لوٹانے کی خاطر ہے اس کو ترمذی کے سوا باقی جماعت نے روایت کیا ہے ۔ اور قائم سے مراد جو رات کو نماز پڑھتا ہے اور اس کو لوٹانے سے مراد یہ ہے کہ وہ سو جائے یا نماز سے فارغ ہو کر بیٹھ جائے جبکہ اذان سنے ۔

پس یہ اذان نہ وقت نماز کی اطلاع کے لئے ہے اور نہ حضور نماز کی خاطر ہے پس اس مسئلہ میں جواز عدم جواز کے جھگڑے میں اور مانع اور مجوز کے استدلال کی بحث میں وہ شخص نہیں پڑ سکتا جس کا مقصد ثابت شدہ شے پر عمل ہے ۔

اس بیان سے ایک تو سحری کی اذان ثابت ہوئی ۔ دوم یہ معلوم ہوا کہ اس اذان کی غرض وہ نہیں جو عام اذان کی ہے بلکہ یہ اس خاطر ہے کہ رات کو نماز پڑھنے والا ذرا آرام لے کر نماز

فجر کے لئے تیار ہو جائے۔

سوم : سویا ہوا اٹھ کر نماز کی تیاری کر سکے کیونکہ اکثر انسان رات کی نیند سے اٹھتا ہے تو اس کو کئی طرح حاجتیں ہوتی ہیں ، پہلے نیند کی سستی میں اٹھتے اٹھتے اتنی دیر لگ جاتی ہے۔ پھر اکثر پاخانہ پیشاب کی حاجت ہوتی ہے۔ اور کبھی غسل وغیرہ کی بھی حاجت ہوتی ہے اور صبح کے وضو کے لئے بھی کچھ وقت زیادہ چاہیئے کیونکہ منہ ناک وغیرہ میں لمبی نیند سے جو مواد جمع ہو جاتا ہے مسواک وغیرہ سے اس کی صفائی اور اندر سے اس کا اخراج ان کاموں کے لئے کافی وقت چاہیئے۔ اس لئے سحری کی اذان مقرر کی گئی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ محض رمضان کے لئے نہیں بلکہ بارہ ماہ کے لئے ہے بلکہ رمضان سے دوسرے مہینوں میں زیادہ مناسبت رکھتی ہے کیونکہ رمضان میں کھانے پکانے کے لئے لوگ پہلے سے جاگے ہوئے ہوتے ہیں۔ برخلاف غیر رمضان کے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ تم کو بلال کی اذان کھانے پینے سے نہ روکے۔ اس سے یہ مقصد نہیں کہ یہ رمضان ہی میں ہے بلکہ اس فرمان کی یہ وجہ ہے کہ رمضان میں اشتباہ کا ڈر تھا کہ کہیں لوگ پہلی اذان سے ہی کھانے پینے سے نہ رک جائیں۔ اس لئے آپ نے اس اشتباہ کو دور فرمایا۔

اسی بنا پر حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں :

«وادعی ابن القطان ان ذالک کان فی رمضان خاصۃ وفیہ نظر» (فتح الباری جز3 صفحہ 346)

یعنی ابن القطان نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ اذان رمضان سے مخصوص ہے۔ مگر ابن القطان کے اس دعویٰ میں کلام ہے۔

نیل الاوطار میں ہے :

«وقد اختلف فی اذان بلال بلیل ہل کان فی رمضان فقط ام فی جمیع الاوقات فادعی ابن القطان الاوّل قال الحافظ وفیہ نظر» (نیل الاوطار جلد اول صفحہ نمبر 349)

بلال کی اذان جو رات میں ہوتی تھی اس میں اختلاف ہے کہ خاص رمضان میں تھی یا تمام اوقات میں ابن القطان نے اول کا دعویٰ کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس دعویٰ میں کلام ہے۔

اس تفسیر سے یہ معلوم ہوا کہ دونوں اذانوں میں کچھ زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ اگر پہلی اذان بہت پہلے ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں پر اس اشتباہ کا خطرہ نہ ہوتا کہ فجر کی اذان ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا اشتباہ کے اٹھانے کی خاطر یہ کہنا پڑا کہ بلال کی اذان تمہیں کھانے پینے سے نہ روکے کیونکہ فاصلہ زیادہ ہونے سے خود ہی سمجھ جاتے تھے کہ رات باقی ہے۔ علاوہ ازیں بعض روایتوں میں تصریح آگئی ہے کہ فاصلہ بہت تھوڑا ہوتا تھا۔

فتح الباری میں بحوالہ نسائی وطحاوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

«ولم یکن بینھما الا ان ینزل ہذا ویصعد ہذا» (فتح الباری جز3 صفحہ نمبر 347)

یعنی دونوں اذانوں کے درمیان صرف اتنا فاصلہ تھا کہ اذان کی جگہ سے ایک اترتا اور دوسرا اذان دینے کے لئے چڑھ جاتا۔ اور بخاری کتاب الصیام میں یہ بھی روایت ہے کہ وہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد قاسم کی طرف اس کی نسبت ہے لیکن نسائی اور طحاوی کی روایت سے معلوم ہو گیا کہ قاسم نے اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سن کر کہا ہے۔ اسی پر حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔

« فمعنی قولہ فی روایۃ البخاری قال القاسم ای فی روایتہ عن عائشۃ» (فتح الباری جز3 صفحہ نمبر 347)

یعنی قال القاسم کا معنی بخاری کی روایت میں یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کر کے کہا ہے نہ کہ اپنی طرف سے۔

پس جب ثابت ہوگیا کہ فاصلہ بہت تھوڑا تھا تو جو لوگ اس کو تہجد کی اذان سمجھتے ہیں یا تہائی رات باقی رہنے کے وقت یا اس سے بھی پہلے دیتے ہیں وہ ڈبل غلطی کرتے ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ تہجد پڑھنے والے کو فارغ کرنے کے لیئے ہے تاکہ وہ ذرا آرام لے کر نماز فجر کے لیئے تیار ہوجائے۔ چنانچہ حدیث کا لفظ لیرجع قائمکم اسی کی طرف اشارہ ہے اور اسی فاصلہ کی وجہ سے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ فجر کی نماز کے لیئے الگ اذان نہ دی جائے اور اسی پر اکتفا کی جائے تو درست ہے۔ اور اسی کے متعلق ایک حدیث میں ہے۔ فتح الباری میں ہے :

«حدیث زیاد بن الحارث عند ابی داوٗد یدل علی الاکتفاء فانہ فیہ انّہ اذان قبل الفجر بامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانّہ استاذنہ فی الاقامۃ فمنعہ الی ان طلع الفجر فامرہ فاقام» (فتح الباری جز3 صفحہ نمبر346)

زیاد بن الحارث رضی اللہ عنہ کی حدیث اذان قبل الفجر کے کافی ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر سے زیاد بن الحارث نے اذان دی اور اس نے اجازت مانگی۔ آپ نے اس کو روک دیا یہاں تک کہ پو پھٹ گئی پس اس کو اقامت کا امر فرمایا اس نے اقامت کہی۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوکہ اذان پو پھٹنے سے پہلے دی اور اسی پر کفایت کی دوبارہ اذان نہیں دلائی لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے۔

«فی اسنادہ ضعف وایضا فھو واقعۃ عین وکانت فی سفر» (فتح الباری جز3 صفحہ نمبر346)

اس حدیث کی اسناد میں ضعف ہے نیز خاص واقعہ ہے جو سفر میں ہوا ہے۔

اور اصول کا قاعدہ ہے کہ خاص واقعہ سے عام استدلال صحیح نہیں کیونکہ خاص واقعہ میں کئی احتمال ہوتے ہیں جو مانع استدلال ہیں۔ مالکیہ شافعیہ کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اگرچہ یہ واقعہ خاص ہے مگر اس میں کوئی ایسا احتمال نہیں جو مانع استدلال ہو۔ رہا ضعف اسناد تو یہ مسلّم ہے مگر عمل اہل مدینہ اس کے موافق ہے اور عمل سلف اہل مدینہ امام مالکؒ وغیرہ کے نزدیک مستقل حجت ہے اور تقویت تو مستقل حجت نہ ہونے کی صورت میں بھی ہوجاتی ہے۔ مگر ایسے بڑے اماموں کے نزدیک مستقل حجت ہونے سے اور زیادہ تقویت ہوگئی پس ضعفِ اسناد سے اس حدیث میں جو کمی آگئی تھی وہ اس عمل سے رفع ہوگئی۔ ہاں دو اعتراض اس پر ڈبل پڑسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر پہلی اذان کافی ہوسکتی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو اذان کیوں دلاتے۔ جن سے ایک بلال دیتے اور دوسری عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ۔

دوسرا اعتراض یہ کہ ابوداوٗد وغیرہ میں حدیث ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ نے فجر کی اذان ایک مرتبہ غلطی سے پہلے دیدی تو آپ نے بلال کو حکم دیا کہ اعلان کردے «اَلاان العبد نام» خبر دار بندہ سوگیا یعنی نیند میں صبح کا پتہ نہیں لگا یا بندہ سونے لگا ہے اس اذان کو معتبر نہ سمجھا جائے۔ اگر قبل الفجر اذان معتبر ہوتی تو اس اعلان کی کیا ضرورت تھی؟ اور اس حدیث کے متعلق اگرچہ حفاظ حدیث کا اتفاق ہے کہ یہ غلط ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ ان کے موذن سے غلطی ہوگئی تھی جس کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان کا حکم دیا تھا۔ لیکن اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ کا واقعہ سمجھ لیا جائے تو پھر عمل اہل مدینہ وغیرہ حدیث زیاد بن الحارث کے موافق کہاں رہا۔ علاوہ اس کے حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں اس کو کئی سندوں سے ذکر کیا ہے جو بعض کو تقویت دیتی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مرفوع کی بھی کچھ اصل ہے۔ ملاحظہ ہو (فتح الباری جز3 صفحہ نمبر346) بہر صورت یہ اعتراض بھی ڈبل ہے۔ ان دونوں اعتراضوں کا جواب یہ ہے کہ دوسری اذان صرف رمضان میں دلائی جاتی تھی تاکہ عام طور پر پتہ لگ جائے کہ اب کھانا پینا بند ہے۔ گویا رمضان کا زیادہ اہتمام ہونے کی وجہ سے دوسری اذان کی ضرورت پڑتی اور اسی بنا پر آپ نے فرمایا کہ جب تک عمر بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان نہ دے کھانے پینے سے بند نہ ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ دوسری اذان غیر رمضان میں بھی ہوتی ہو مگر پہلی پر اکتفاء بھی درست ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ دوسری ضروری نہ سمجھی جاتی ہو۔ جیسے حدیث زیاد بن الحارث رضی اللہ عنہ اور عمل سلف اہل مدینہ وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ کا یہ بھی جواب ہوسکتا ہے کہ پہلی اذان موذن نے بہت پہلے دے دی ہو۔ اور ابھی رات کافی باقی ہو۔ اس لیئے اعلان مذکور کی ضرورت پڑی ہو۔

غرض اس قسم کے جوابات مالکیہ اور شافعیہ کے طرف سے دیئے جاتے ہیں مگر باوجود اس کے احتیاط اختلاف سے نکل جانے میں وہ یہ کہ پہلی اذان اگر دی جائے تو اس پر اکتفا نہ کی جائے بلکہ جمعہ کی دوسری اذان ضروری دی جاتی ہے خواہ پہلی دی جائے یا نہ۔ اس طرح یہاں بھی دوسری اذان ہونی چاہیے۔ رہی پہلی اذان تو وہ اگر ہوجائے بہتر ہے اگر نہ ہو تو کوئی

حرج نہیں کیونکہ سلف نے اس کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کوئی ضروری شے نہیں۔ اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پہلی اذان الفاظ اذان میں نہیں بلکہ ویسے اعلان تھا۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اذان کا حقیقی معنی شرعاً انہی الفاظ کے ساتھ اعلان ہے پس یہی مراد ہوگا۔ دوم اگر اذان کے الفاظ نہ ہوتے تو بلال کی اذان سے اشتباہ کا خطرہ نہیں ہوسکتا تھا حالانکہ حدیث سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اشتباہ کا خطرہ ہوا۔ اور اسی بنا پر فرمایا کہ بلال رات کو اذان دیتا ہے پس کھاؤ پیو یہاں تک کہ ابن مکتوم اذان دے۔ پس اذان پہلے اگر دی جائے تو مسنون الفاظ سے دینی چاہیئے اپنی طرف سے کوئی بدعت نہ کرنی چاہیئے ایسا نہ ہو کہ کہیں فائدہ کی جگہ نقصان ہو جائے۔ خدا محفوظ رکھے۔ آمین۔

وباللہ التوفیق

فتاویٰ اہلحدیث

کتاب الصلوۃ، نماز کا بیان، ج2ص91

محدث فتویٰ